منیبہ زہرا نقوی

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن سرگودھا

لطیف الزماں خاں کی ترجمہ نگاری کا تحقیقی جائزہ

(مہرِ نیم روز اور مکتوباتِ غالب کے تناظر میں)

ABSTRACT

The article under review is an attempt to critically analyze the paradigm of translation applied by Prof Lateef uzZama'n in 'Mehr e Neemroz' and 'Maktoobat e Ghalib'. It is pertinent to mention that he has strictly followed the basic principles of translation. Moreover, he pays special attention to research and editing factors also. In his translations literary and critical style is prominent.

کلیدی الفاظ۔ لطیف الزماں صدیقی، غالب، خلیق انجم، نثار قریشی، ٹامس میور، چین

ترجمہ نگاری بھی دراصل ایک فن ہے جس کی اپنی مبادیات ہیں اور اس کے تقاضوں سے کماحقہ انصاف کے لیے مترجم کی ذہنی بالیدگی اور اعلیٰ فکر مہمیز کا کام کرتی ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے ایک مترجم اُن تمام معنوی امکانات کو مدِ نظر رکھتا ہے کہ جس سے متن کی بخوبی وضاحت بھی ہو اور جو ترسیلِ معنی میں ممد و معاون بھی ثابت ہوں اور ان امور کا خیال رکھنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ ”ترجمہ بنیادی طور پر ایک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل کا عمل ہے۔“(۱)

ترسیل کے اس عمل کو جامع و مانع بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم اس طرح سے ترجمہ پیش کرے کہ فن پارے کے فنی تقاضے بھی ملحوظِ خاطر رہیں اور اس میں ایک تخلیقی رچاؤ بھی شامل ہو جائے اور اگر اس تخلیقی رچاؤ میں ادبیت بھی دکھائی دے تو یہ ایک اضافی خوبی تصور ہو گی۔ ترجمہ نگاری صرف ایک زبان کے فن پارے کو دوسری زبان میں منتقل ہی نہیں کرتی بلکہ یہ ایک ثقافت کو دوسری ثقافت سے متعارف کرواتی ہے۔ ترجمہ زبان کے ساتھ ساتھ دوسری تہذیب اور سماج کے ادراک کا نام بھی ہے۔

ترجمے کی بدولت ایک زبان کے ساتھ دوسری زبان اور اُس زبان سے وابستہ تمام تر افکار اور تہذیبی رچاؤ بھی عیاں ہوتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تراجم، عصری، سماجی اور تہذیبی انقلابات کو بھی اپنے ساتھ ساتھ لیے چلتے ہیں۔ یوں یہ تراجم صرف ایک عصر تک محدود نہیں بلکہ ان کے اندر کئی زمانے اور کئی رجحانات مضمر ہیں اور یہ بات قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم تراجم میں ایک عصر کے تہذیبی رچاؤ کو محسوس کرتے ہیں تو غالباً اسی وجہ سے باہمی روابط اور ابلاغِ مطالب کے لیے ترجمے کی ضرورت رہی ہو گی۔

دراصل انسان کی سماجی زندگی اور ترجمے کا فن ایک جتنے ہی قدیم شمار کیے جاسکتے ہیں کیونکہ مختلف سماجی گروہوں کے باہم روابط کی بناپر ایک دوسرے کی باتوں کو سمجھنے کے لیے ترجمے کی راہ اپنانی پڑی ہو گی اور ایسی ابتدائی تفہیم کی صورت میں ”ترجمہ کچھ آوازوں اور کچھ اشاروں پر مبنی رہا ہو گا۔“(۲)

اس اعتبار سے ترجمہ نگاری صرف ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہی نہیں بلکہ یہ ابلاغِ فکر کے انتقال کے ساتھ ساتھ، سماجی روابط کے قیام کا بھی نام ہے اور جب ترجمے کی اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مترجم ایک زبان کے ادب کو اپنی زبان میں منتقل کر رہا ہوتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ”پہلے اس زبان کے تہذیبی رچاؤ سے واقفیت حاصل کرے۔“(۳)

ترجمہ نگاری کے فن کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم لطیف الزماں خاں کی شخصیت کا بطور مترجم جائزہ لیتے ہیں تو یہ ترجمہ نگاری ایک طرف تو ان کی ادبی جہتوں میں سے ایک جہت کی صورت سامنے آتی ہے اور دوسری جانب ان کی غالب شناسی اور غالب سے عشق و عقیدت کی ایک سند بھی پیش کرتی ہے۔ اس حوالے سے بطور مترجم انھوں نے اپنی ایک جداگانہ حیثیت قائم کی ہے۔ مترجم کی حیثیت سے ان کے کام کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ترجمہ نگاری کے بنیادی اصول، مترجم کی خصوصیات اور فنِ ترجمہ نگاری کی باریکیوں کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھیں تاکہ ان نکات کی روشنی میں لطیف الزماں خاں کی ترجمہ نگاری کو پرکھا اور سمجھا جاسکے۔ پروفیسر ظہور الدین فنِ ترجمہ نگاری پر بات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ”ترجمہ ایک ایسا فن ہے جس کی وساطت سے کسی ایک زبان کے فن پارے کو دوسری زبان میں منتقل کر کے اس زبان کے قارئین کو اُس تک پہنچنے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔“(۴)

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کسی بھی فن پارے کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم کی اپنی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ وہ جس فن پارے کا ترجمہ کر رہا ہے یقیناً اس میں، اُس کی ذاتی دلچسپی اور شوق شامل حال رہا ہو گا اور اس طبعی میلان اور شوق کی بدولت اس کے کام کرنے کا طریقہ عمیق مشاہدے اور ریاضت فکر پر مبنی ہو گا۔ جب کہ بحالتِ مجبوری جو تراجم کیے جاتے ہیں ان میں اسلوبِ بیاں کی وہ لطافتیں اور رچاؤ پیدا نہیں ہو سکتا جو ذاتی دلچسپی اور طبعی میلان کی بدولت کیے گئے ترجمے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ترجمہ نگار اگر خود بھی تخلیقی ادیب ہے تو اس کا ترجمہ روکھے پھیکے ترجمے کی بجائے، تخلیقی رنگ لئے نظر آئے گا۔ البتہ دوسری صورت میں، جب کہ مترجم خود تخلیق کار نہیں ہے تو بھی اُس کا مطالعہ اور مشاہدہ اُس سے اچھے ترجمے کرا سکتا ہے۔“(۵)

ایک بہترین ترجمہ وہ ترجمہ کہلائے گا کہ جس میں تخلیقی حسن مضمر ہو، اس حوالے سے مترجم دراصل ان لوگوں کو رہنمائی فراہم کر رہا ہوتا ہے کہ جو دوسری زبان کو نہیں سمجھتے اور ایسی صورت میں مترجم، مترادف اور متبادل الفاظ کے ساتھ ساتھ اجنبی زبان کے مفاہیم کو اپنی زبان کے اسلوب اور محاورے کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتا ہے جو ”ایک اعتبار سے بازیافت کا عمل ہے۔“(۶)

جب تک ہم ایک اجنبی زبان کے ادب یا تحریر کو اپنی زبان کے پیرایہ اظہار میں دیکھ اور سمجھ نہیں لیتے اس وقت تک ہمارے اور اُس زبان کے درمیان ایسے دبیز پردے حائل رہتے ہیں کہ جن کی بدولت ہم نہ تو پس پردہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کوئی رائے دے سکتے ہیں۔

اظہار اور ابلاغ کے راستے ہونے کے باوجود ہم اُس زبان کے فن پارے پر تبصرہ نہیں کر سکتے اور گویائی ہونے کے باوجود ہماری حیثیت ایک گونگے شخص کی سی ہو جاتی ہے لیکن جب مترجم اس اجنبیت کی دیوار کو ترجمے کے توسط سے گرا دیتا ہے تو ابلاغ اور اظہار کو راہ مل جاتی ہے اور تہذیب و ثقافت، فکر و فن کے دریچے ہم پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ نئے زمان و مکان تک رسائی ممکن نظر آتی ہے۔ ترجمہ صرف ایک ادب پارے تک رسائی نہیں دیتا، بلکہ ایک عہد، ایک تہذیب، ادب اور سماج کی بوقلمونیاں ہمارے سامنے لے آتا ہے۔ ترجمے کے فن اور روایت پر بات کرتے ہوئے نثار احمد قریشی کچھ ایسے ہی نکات کی تفہیم پیش کرتے ہیں:

> "اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ترجمہ ہر دور میں، ہر زبان کی اہم ترین ضرورت رہا ہے۔ یہ مختلف قوموں، زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان پڑے ہوئے اجنبیت کے پردے چاک کر کے انھیں ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے اور ہر زبان کی ترقی، پھیلاؤ اور وسعت میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔"(۷)

ڈاکٹر سہیل احمد خان اپنے مضمون "ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن" میں ٹامس میور کی نظم The Light of Other Days کا حوالہ دیتے ہوئے ترجمے اور اصل کا تقابل پیش کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ "متن سے زیادہ قریب نہ ہوتے ہوئے بھی اس ترجمے کا جادو آج تک سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"(۸)

کسی ایک زبان کے اسلوب کو دوسری زبان میں ڈھالتے ہوئے ایسے تخلیقی و ادبی رچاؤ سے ہمکنار کرنا اُس صورت میں ممکن ہے کہ جب ترجمہ نگار دونوں زبانوں پر مکمل عبور رکھتا ہو، زبانوں کے اسلوبیاتی نظام، جملوں کی ساخت، اصطلاحات، محاوروں، الفاظ کے لفظی و معنوی رشتوں کے باہمی امتزاجات اور متفرقات سے بخوبی واقف ہو اور انھیں برتنے کا ہنر جانتا ہو تو پھر ترجمہ بذاتِ خود ایک تخلیقی ادب پارے کی صورت میں صفحہ قرطاس پر بکھرنے لگتا ہے اور ایسا ترجمہ ادبی ترجمے کی مد میں آ جاتا ہے جس میں لفظ بہ لفظ ترجمے کی بجائے "مجموعی تاثر اور مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش"(۹) کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے ایک مترجم کو اپنا کام سرانجام دینا ہو گا کہ اصل متن کو اُس کے تہذیبی سیاق و سباق کے پیرائے میں سمجھتے ہوئے جو وضاحت کی جائے گی وہی مناسب اسلوب کی صورت، ترجمے میں نظر آئے گی۔ اس حوالے سے سید باقر حسین الفاظ اور عبارت کے ترجمے کی بابت جو رائے پیش کر رہے ہیں اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

> "الفاظ کا ترجمہ کرنا پھر بھی نسبتاً آسان ہے لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سے واسطہ پڑتا ہے ایک طرف تو خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہو۔ اصل عبارت کا محض لُبِّ لباب یا تبصرہ نہ ہو اور دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہر زبان میں مخصوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوبِ اظہار یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو اصل کا لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ اس کے مرکزی خیال کو ادا کرتا ہو یا اگر یہ

ممکن نہ ہو تو پھر ترجمے میں جملے کی ساخت حسبِ ضرورت تبدیل کرنی پڑتی ہے یا الفاظ گھٹانے بڑھانے پڑتے ہیں تاکہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے۔"(۱۰)

ترجمے کے حوالے سے مصنف اور مترجم کی فکر کے تضادات بھی ایک فطری عمل ہے۔ جب کوئی مترجم، کسی مصنف کے فن پارے کا ترجمہ کر رہا ہوتا ہے تو اس کے سامنے مصنف کی فکر نہیں بلکہ اس کی فکر کے نتیجے میں لکھی گئی تحریر ہوتی ہے اور جب ترجمہ کیا جارہا ہوتا ہے تو مترجم کی اپنی فکر اس ترجمے کے پیرائے میں شامل ہو جاتی ہے اور یوں ترجمے میں "مصنف کی فکر سے زیادہ مترجم کی فکر غالب آ جاتی ہے۔"(۱۱)

ان تمام آراء، نکات اور ترجمہ نگاری کے مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ نگاری کے فن کے لیے بڑی ریاضت درکار ہے اور اس ریاضتِ فکر میں سب سے اہمیت کی حامل خود مترجم کی ذات ہے۔ اس لیے ایک مترجم کو کچھ باتیں ذہن میں رکھنا اشد ضروری ہے۔ دراصل یہ وہ بنیادی نکات ہیں کہ جس کے بغیر مترجم اپنے کام کو بطریق احسن انجام نہیں دے سکتا۔ سب سے اہم اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہے خواہ وہ فارسی ہے یا عربی، انگریزی ہے یا پنجابی، کوئی علاقائی زبان ہے یا دیگر بین الاقوامی زبانوں میں سے کوئی زبان ہے، اُسے اس زبان پر کامل دسترس ہونی چاہیے۔ زبان کے محاورے، صرف و نحو کے اصول و قوانین کے ساتھ ساتھ اس زبان کے اسلوب میں برتنے سے مکمل آگاہی رکھتا ہو اور صرف یہی نہیں بلکہ مترجم جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس پہ بھی کامل عبور اور قدرت انتہائی ضروری ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے کہ جس کے ذریعے ترجمے کی عمارت کے خدوخال اور ان خدوخال کے سہارے ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے مترجم کا اسلوب بے تکلف ہونے کے ساتھ ساتھ متن کی صحیح وضاحت پیش کر رہا ہو، اُس کا اندازِ تحریر سہل اور شستہ بھی ہو تاکہ قارئین اس ترجمے کو پڑھتے ہوئے فن پارے کی اصل روح کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ترجمے میں ادبی رچاؤ کو بھی محسوس کر سکیں اور ادب پارے کی تمام جزئیات سے مستفید ہو سکیں۔

مزید برآں مترجم کا مطالعہ محدود نہیں بلکہ وسیع ہونا چاہیے اور اُسے الفاظ کے مترادفات اور برمحل استعمال کا صحیح ادراک ہو، وہ متن میں شامل الفاظ کی بابت یہ اندازہ لگا سکے کہ کثیر المعانی الفاظ کے اس متن کے حوالے سے کون سے معنی، ترجمے میں تشریح متن کے لیے استعمال کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ وہ تشریحی نکات کی وضاحت کے لیے حواشی اور تعلیقات کے ذریعے وضاحت پیش کرے اور اس بات کا بھی خیال رکھے کہ ترجمے کو بامحاورہ ترجمے اور ادبی پیرایہ اظہار میں پیش کرتے ہوئے اس کے اصل مفہوم اور معنی سے تجاوز نہ کرے بلکہ ادبی شان برقرار رکھتے ہوئے تعبیرِ معنی کا راستہ متعین کرے اور فن پارے میں شامل خیال کو بعینہٖ پیش کرے تو پھر یقیناً وہ ایک بہترین مترجم کے تقاضوں پر پورا اتر سکتا ہے۔

لطیف الزماں خاں کی ترجمہ نگاری کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ ترجمہ نگاری کی بنیادی جزئیات، روایت اور فن سے مکمل آگاہی رکھتے تھے۔ لطیف الزماں خاں کے تراجم ایک طرف تو اُن کی غالب شناسی اور غالب سے محبت و عقیدت کے ترجمان ہیں تو

دوسری جانب یہ تراجم بحیثیت مترجم ان کی باریک بینی اور اُن کے ادبی قد و قامت کا پتا دیتے ہیں۔ بے شک ان تراجم کے ذریعے غالب کے فارسی خطوط کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان مشکل الفاظ و تراکیب کا عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ پڑھنے کو ملتا ہے کہ جس کی اس سے بہتر تفہیم قاری کے لیے ناممکن تھی۔ لطیف الزماں خاں نے حواشی اور حوالہ جات کی مدد سے ”اسے ترجمہ نگاری کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں“(۱۲) مرتب کیا ہے۔

لطیف الزماں خاں، مکتوباتِ غالب، نامہ ہائی فارسی غالب، مرتبہ سید اکبر علی ترمذی کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ غالب کے دہلی سے کلکتہ تک کے سفر کے بارے میں انتہائی قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان خطوط کے تراجم میں تدوینی مشکلات بھی درپیش رہیں، کچھ خطوط میں اشعار اور بعض جگہ مصرعے غائب تھے جنھیں انھوں نے ’کلیاتِ فارسی دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ کان پور ۱۸۷۲ء“ سے نقل کر کے مکمل کیا۔

لطیف الزماں خاں نے ترجمے میں محض ایک مترجم کی حیثیت ہی مستحکم نہیں کی بلکہ انھوں نے تدوین کے مروّجہ اصول وضوابط کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک مترجم کے ساتھ ساتھ ایک مدّون کے فرائض بھی پورے کیے ہیں اور اس حوالے سے ”ضروری حواشی و تعلیقات کا اہتمام کرتے ہوئے متن سے کماحقہ استفادہ“(۱۳) ممکن بنایا ہے۔

مکتوباتِ غالب کا ترجمہ، غالب کے فارسی خطوط کی تفہیم میں ایک اہم پیش رفت ہے۔ لطیف الزماں خاں نے بامحاورہ ترجمے کے ذریعے اسے عام فہم بنا کر تفہیمِ خطوطِ غالب کی راہ آسان کر دی ہے۔ اسلوب کے حوالے سے ان کی تحریر کا دلکش انداز ترجمے میں جابجا نظر آتا ہے۔

> ”وہ زمانہ بھی کیا خوب تھا کہ طبقہ عشّاق میں میری بھی قدر و منزلت تھی، میں آہِ آتش ناک اور اشک بار آنکھیں رکھتا تھا۔ اب وہ شوق کی شعلہ زنی کہاں باقی رہی ہے جو نفس کو دل کی شعلہ زنی کے اظہار سے محروم نہ رکھے اور بہارِ فکر کا وہ جوش کہاں ہے کہ مجھ کفِ خاک سے لالہ و گل کا نمود ہو اور یہ جو اب تک میرے گریبانِ خیال سے ایک بجلی چمک جاتی ہے دراصل یہ اُس چراغ کی بھڑک ہے جو بجھنے والا ہے۔“(۱۴)
>
> ”اے داورِ داد گر، میری روح مصائب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ غم کی چھریوں نے میرے دل کا رُخ کیا ہے۔ دل درد آشنا ہے مگر دوا سے محروم ہے۔ وہ مرہم کی طمع رکھتا ہے، مفلسی کی گرد میری حالت کو پریشان رکھتی ہے میری تمنا یہ ہے کہ جناب کی سرکار (یعنی آپ) میرے سدِ ملال اور گوہرِ کمال کو بہ نگاہِ قدر شناسی مطالعہ فرمائیں تاکہ ستارہ سہا چاند کا ہم طالع اور مکھی ہُما کی ہم مرتبہ ہو جائے۔“(۱۵)

سہا اور مکھی کی وضاحت کرتے ہوئے لطیف الزماں قوسین میں درج کرتے ہیں کہ ان دونوں الفاظ سے مراد غالب کی اپنی ذات ہے۔ قوسین میں وضاحت درج کرنے کے بعد وہ ترجمے میں متن کے بعض مشکل الفاظ درج کرتے ہوئے ان کی وضاحت بھی تحریر کرتے

ہیں۔ ان تراجم کو پڑھتے ہوئے یہ کمی ضرور محسوس ہوتی ہے کہ فارسی متن ساتھ درج کرنے کے بجائے شروع میں ایک ہی مرتبہ دے دیا گیا ہے اور یوں اقتباس کے تراجم کو پڑھ کر گزشتہ اوراق میں درج اصل متن کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔

البتہ اس بامحاورہ ترجمہ میں اسلوبِ بیاں کی دل کشی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے غالب نے یہ خطوط فارسی کے بجائے اُردو میں ہی تحریر کیے ہوں۔ یہ فاضل مترجم کی زبان دانی کا کمال ہے کہ یہ ترجمہ طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔

غالب کے ان خطوط سے، غالب کی شخصیت کی بہتر تفہیم ممکن نظر آتی ہے۔ ان کی ذاتی دلچسپیاں، مختلف مقامات اور شہروں کے بارے میں ان کی آراء، ایک طرف تو خود غالب کی ان مقامات سے دلچسپی کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری جانب قارئین کو اُن نظاروں سے لطف اندوز کرتی ہے۔

الہ آباد کی خامہ فرسائی کا رنگ لطیف الزماں نے ترجمہ میں یوں اجاگر کیا ہے کہ خطوط کے قارئین کا دل بھی اس خامہ فرسائی میں شریک ہونے لگتا ہے۔

> ”الہ آباد بھی کیا واہیات جگہ ہے اس ویران جگہ پر لعنت کرے کہ اس میں نہ کسی بیمار کے لائق دوا ہے اور نہ کسی مہذب انسان کے لائق کوئی شے ملتی ہے اس میں نہ مرد و زن کا وجود ہے نہ اس کے پیر و جواں کے دل میں محبت و مروّت ہے۔ اس کی آبادی دنیا کے لیے روسیاہی کا باعث ہے۔۔۔ اس ہولناک وادی کو شہر کہنا کتنی ناانصافی ہے۔“(۱٦)

اسی طرح ان خطوط میں بنارس کے حُسن اور اس کی مسحور کن فضا کا نقشہ ایسے رنگ میں پیش کیا گیا ہے کہ ”مثنوی چراغِ دیر“ کی وجہِ تسمیہ بخوبی سمجھ آتی ہے۔ محبِّ غالب، لطیف الزماں خاں نے اُردو ترجمے کے قالب میں ڈھال کر اس کے حسن کو حسنِ بیاں کی لطافت عطا کر دی ہے۔

> ”کیا کہنے ہیں شہر بنارس کے، اگر میں اس کو فرطِ دل نشینی کی وجہ سے قلب عالم کا سویدائے قلب کہوں تو بجا ہے۔ کیا کہنے ہیں اُس آبادی کے اطراف کے، اگر جوشِ سبزہ و گل کی وجہ سے میں اُسے بہشتِ روئے زمیں کہوں تو بجا ہے، اُس کی ہوا مُردوں کے بدن میں روح پھونک دیتی ہے اُس کی خاک کے ہر ذرّہ کا یہ منصب ہے کہ مقناطیس کی طرح راہ رَو کے پاؤں سے پیکانِ خار کو کھینچ لے۔ اگر دریائے گنگا اس کے قدموں پر اپنی پیشانی نہ ملتا تو وہ ہماری نظر میں اس قدر معزز نہ ہوتا اور اگر خورشید اُس کے در و دیوار کے اوپر سے نہ گزرتا تو وہ اس طرح روشن اور تابناک نہ ہوتا۔“(۱۷)

لطیف الزماں نے اس بامحاورہ ترجمے کے ذریعے عبارت میں جاذبیت اور جامعیت کے ساتھ، تخلیقی و ادبی حسن بھی پیدا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ ان کی غالب سے محبت و عقیدت، غالب شناسی کے شوق اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی فارسی زبان و ادب سے گہری وابستگی کی دلیل بھی ہے۔

اسی طرح ”مہرِ نیم رُوز“ میں شامل اشعار کا ترجمہ کرتے ہوئے لطیف الزماں خاں نے ایسے موزوں اور برمحل الفاظ کا استعمال کیا ہے جو ایسا جچا تُلا اور مناسب ہے کہ شاید اس سے بہتر اسلوب ممکن نہیں:

"اسیر ش زبندی کہ بر پای اوست

سگا رو کہ بر تخت چیں جای اوست

اُس کی محبت کے اسیر کے پاؤں میں زنجیر یا بیڑی پڑی ہے وہ اُسے پہن کر یہ سمجھتا ہے کہ ملک چین کے تخت پر بیٹھا ہے، یعنی عارف اپنے تئیں بادشاہِ وقت سمجھتا ہے۔"(۱۸)

ان کے ترجمے میں ادبیت، بر محل الفاظ و محاورے کا استعمال اور تخلیقی فکر کی رنگارنگی ان کی ہر دو زبانوں پر کامل دسترس کا پتا دیتی ہے۔

"یہ ملکِ ہند، رشکِ نگارستانِ چین ہے اور دانش و آئین کا مدرسہ ہے۔ اس کے دن کامیاب اور صبح دل افروز ہے۔ اس ملک میں ہوا چلتی رہتی ہے اور سبزہ لہکتا رہتا ہے۔ بلبل گیت گاتی رہتی ہے اور زاہد شغلِ تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ قافلے سامان لاد کر چلتے ہیں اور رات کے چوکیدار آرام سے سوتے ہیں۔"(۱۹)

لطیف الزماں خاں نے ترجمے میں، حواشی میں مفید معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ وہ حواشی میں متن میں دیے گئے لفظ کے اگر دو معنی ہیں تو دونوں کی بابت بتاتے ہیں اگر غالب نے دونوں معنوں سے استفادہ کیا ہے تو وہ اُس سے بھی آگاہ کرتے ہیں تاکہ متن کی بہتر تفہیم ہو سکے۔ یہ اُن کی فارسی زبان پہ دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے مثلاً صفحہ تین سو انتالیس کے حواشی میں وہ اوپر دی گئی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ ہر راستے میں دشمن کے تن اور بساطِ بزم کو بچھانے والا تھا۔"

حواشی میں وضاحت درج کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ غالب نے اس جملہ میں "کلمہ افگندن' کے دو معنی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کا ایک پہلو ہے زمین پر کوئی چیز ڈالنا اور دوسرا بچھانا۔"(۲۰)

جہاں ایک طرف وہ حواشی میں الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے غالب کی زبان دانی کے معترف ہیں۔ وہاں دوسری طرف جب ہم غالب شناسی کے طور پر "مہرِ نیم روز" کے اس ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں تو خود ہمیں لطیف الزماں خاں کی فارسی زبان پر کامل دسترس کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے ترجمے کے فن کو خوب نبھایا ہے۔ یہ محض ایک سرسری عبارت آرائی نہیں بلکہ فارسی اور اُردو ہر دو زبانوں پر خاطر خواہ عبور رکھنے والے لطیف الزماں خاں کے غالب سے بے پناہ عقیدت کا ایک بہترین اندازِ تحریر اور ترجمہ ہے جو ایک تو غالب شناسوں کے لیے ایک نعمت ہے تو دوسری طرف خود لطیف الزماں خاں کے غالب سے عشق و مودت اور عقیدت کا ترجمان بھی ہے اور اتنا ہی نہیں کہ انھوں نے اس ترجمے میں بطور مترجم اپنی شناخت قائم کی ہے بلکہ ترجمہ نگاری کے بنیادی نکات اور مبادیات کو ذہن میں رکھنے کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت محسوس کی ہے تدوین کے تقاضوں کا حق بھی ادا کیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ احمد سہیل، ''ترجمے کی تجرید''مشمولہ تنقیدی تحریریں از احمد سہیل (ممبئی، قلم پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۶۲۔

۲۔ خلیق انجم، ''اُردو ترجمے کا ارتقاء''مشمولہ فنِ ترجمہ نگاری، مرتبہ: خلیق انجم (نئی دہلی، ثمر آفسٹ پرنٹرز، ۱۹۹۶ء)، ص ۹

۳۔ ظ۔انصاری، ''ترجمے کے بنیادی اصول''مشمولہ فنِ ترجمہ نگاری، مرتبہ: خلیق انجم، ص: ۳۲۔

۴۔ ظہور الدین، پروفیسر، ''ترجمے کے مسائل''مشمولہ ''فنِ ترجمہ نگاری''از پروفیسر ظہور الدین (نئی دہلی، کلاسک پرنٹرز، دریا گنج ۲۰۰۶ء)، ص ۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۰

۶۔ غفران الجیلی، سید، ''فنِ ترجمہ کے اصول و مبادیات''مشمولہ ترجمہ: روایت اور فن، مرتبہ: نثار احمد قریشی (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۷۹

۷۔ قریشی، نثار احمد، ''دیباچہ''مشمولہ ترجمہ: فن اور روایت، مرتبہ: نثار احمد قریشی، ص ا

۸۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ''ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن''مشمولہ ترجمہ: فن اور روایت، مرتبہ: نثار احمد قریشی، ص ۶۷

۹۔ ظہور الدین، پروفیسر، ''فن پارے کے ترجمے کے تقاضے''مشمولہ ''فنِ ترجمہ نگاری''از پروفیسر ظہور الدین، ص

۱۰۔ باقر حسین، سید، ''ترجمے کے اصول''مشمولہ ترجمہ: روایت اور فن، مرتبہ: نثار احمد قریشی، ص: ۶۰

۱۱۔ امتیاز حسین، ''ترجمہ نگاری کے مسائل''مشمولہ: نمودِ حرف (جنوری تاجون) از تبسم کاشمیری (لاہور، اُردو بازار، رحمن پلازہ، ۲۰۱۶ء)، ص ۸۱

۱۲۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، ''لطیف الزماں خاں بحیثیت غالب شناس''، مشمولہ انگارے بیادِ لطیف الزماں خاں، ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۳

۱۳۔ رفاقت علی شاہد، ''مقدمہ''مشمولہ اردو مخطوطات کی فہرستیں رسائل میں از رفاقت علی شاہد (لاہور، اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ص ا

۱۴۔ لطیف الزماں خاں، مکتوباتِ غالب، مترجم: لطیف الزماں خان (کراچی، مکتبہ دانیال، طبع دوم ۱۹۹۹ء)، ص: ۶۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۷۲،۷۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۷۸

۱۸۔ لطیف الزماں خان، مہر نیم روز عکس مخطوطہ و ترجمہ، مترجم: لطیف الزماں خاں (ملتان، ملتان آرٹس فورم، اشاعت اول ۲۰۰۳ء)، ص ۱۷۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۲۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۳۹۔